



## مرثیہ۔ دیگر زبانوں میں Elegy in other Languages

Tahir Hussain Khoso\*  
Dr. Muhammad Yar Gondal\*\*

### Abstract

Elegy started its journey from Arabic Language. Its first creator was Hazrat Adam (AS) at sorrowful murder of his sons Habel. This article is about the origin and meaning of the word "Elegy", Elegy in Urdu language its evolution and beginning. In Urdu language, Elegy started from Dakkan. Elegy had been divided into three types which were conventional, personal and religious or Karbalai Marsiya. But later on, it became specific for Karba. We can come across personal elegies in Urdu but whenever we mention elegy our attention goes to Karbala. Therefore, in this article Elegy has been discussed in this context. Elegy in different languages of the world like Greek, Latin, English, French, Italian etc. is also part of this article.

**Keywords:** Sorrowful, Murder, Elegy, Evolution, Conventional, Religious

غم سے انسان کی نسبت روز ازل سے ہے۔ شاید وجود انسانی غم کا جذبہ بہ طور وراثت رحم مادر سے لے کر دنیا میں آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس جہان فانی میں انسانی زندگی کی ابتداء رونے ہی سے ہوتی ہے۔ نتیجتاً انسان عمر بھر غم و اندوہ سے وابستہ رہتا ہے اور یوں وہ اپنے دکھوں، مصائب اور آلام کا عزا دار بن جاتا ہے۔

عہدِ قدیم سے انسان اپنے دکھوں پر کڑھتا اور غم کا اظہار کرتا آیا ہے۔ آدم و حوا کے درمیان پیدا شدہ مفارقت نے انھیں اس قدر وصل کے لیے مجبور کیا کہ وہ رور و کر اللہ سے دعا مانگتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہجر و فراق اور ہمیشہ ہمیشہ کی جدائی یعنی موت پر نئے نئے انداز سے غم کا اظہار ہوتا رہا۔ درد و غم سے معمور ایسے لمحات میں گریہ و بکا اور سینہ کو بی کے مظاہرے عام ہوتے تھے۔ غم و اندوہ کے ان اثرات کی شدت کو کم کرنے کا راز مسکئی کلمات کے ادا کرنے میں پوشیدہ تھا۔ ابتدا میں یہ مسکئی کلمات نوحہ و شیون تک محدود تھے مگر وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ یہ کلمات بڑی بڑی زبانوں میں مرثیوں کی صورت اختیار کر گئے۔ یوں مرثیہ، کیفیت درد و غم کی عکاسی کا اظہار ٹھہرا۔

عزیزوں اور اپنوں کی ابدی جدائی کی درد انگیزی نے رثائی جذبات کو ابھارا۔ پس دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں موت کی درد کیفیت سے متاثر ہو کر مرنے والوں کی خوبیاں اور یادیں خون کے آنسو رلاتی رہی ہیں۔ موت کے موقع پر عزیزوں، معشوقوں، قبیلے والوں اور سرداروں وغیرہ سبھی کی موت پر عجمی اور عربی زبانوں میں مرثیے لکھے گئے ہیں۔ یہ مرثیے طویل تر نظموں کا جزو بھی رہے ہیں اور الگ سے بھی ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ علی جوادی نے اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

\* Research Scholar, Ph.D Urdu, UOS, Sargodha.

Email: marshman156@gmail.com. ORCID iD: <https://orcid.org/0000-0002-9284-5590>

\*\* Assistant Professor, Department of Urdu & Oriental Languages, UOS, Sargodha.

دنیا کے سبھی ملکوں اور سبھی زبانوں میں رثائی ادب کی روایت رہی ہے۔ اس کا بیشتر حصہ لوک ادب پر مشتمل تھا اور ضائع ہو گیا، پھر بھی جو کچھ بچ رہا ہے اس سے تاریخی تسلسل کا پتا چلتا ہے اور ارتقائی عوامل کا سراغ ملتا ہے۔ یورپ میں ایلیمیجی، تھرے نوڈی، ڈرج وغیرہ رثائی اسالیب ہیں اور ان کی گونج یونان اور روم سے لے کر فرانس اور انگلینڈ تک سنائی دیتی رہی ہے۔ ترکی میں بچ ہے۔

انسانی تہذیب اپنے ابتدائی دور سے ہی چاہے وہ مصر کی ہو یا بائبل و نینویا چین کی زمانہ قدیم سے مرثیوں کا وجود ہر ایک میں قدر مشترک کے طور پر موجود ہے۔ ایسیس (ISIS) کا مرثیہ جو اس نے اپنے بھائی اور شوہر اوسا سس (OSIRIS) کے غم میں بیان کیا ہے اس قسم کی شاعری کی قدامت کی دلیل ہے۔ یہ مرثیہ قریباً چار ہزار قبل مسیح میں لکھا گیا ہے۔ یہ نوحہ جسے یقیناً مرثیہ کے طور پر لینا چاہیے۔ میں ایک بیوی اپنے شوہر کی اچانک موت پر بین کرتی دکھائی دیتی ہے اور تاثر یہ ہے کہ گویا وہ روٹھ گیا ہے بیوی اس کی سچ دھج کی تعریف و توصیف کرتی ہے۔ اسے اپنے پیار اور چاہت کا واسطہ دے کر مناتی ہے۔ یہ اعادہ بھی کرتی ہے کہ اس کا سرتاج علاوہ اس کے کسی دوسرے کی محبت میں گرفتار نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ پھر وہ اس سے دور کیوں کر ہو سکتا ہے۔ دیوتا اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ اپنے شوہر کو فیوض و برکات کا حامل انسان تصور کرتی ہے اور بلک بلک کر روتی ہے۔

یونانی لفظ EΛEΛELA کے معنی عام طور پر المیہ گیت یا جنازے کی نظم کے طور پر لیے جاتے ہیں مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس لفظ میں متوفی کے لیے تاسف کا عنصر بھی موجود ہے یا نہیں۔ یونان کے ابتدائی مرثیے درحقیقت ایسی نظمیں نہیں ہیں جنہیں جنازے پر کہی ہوئی نظمیں شمار کیا جاسکے۔ تاہم یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ قدیم EΛEΛELA میں ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو موسیقی کے ساتھ تدفین کے موقع پر گائے جاتے ہوں۔

تاہم وہ یونانی ادب جسے بقائے دوام حاصل ہے، کے مطالعے سے مرثیوں کے نقوش واضح طور پر ملتے ہیں مگر انہیں موت کے لیے مخصوص و معنون قرار نہیں دیا جاسکتا کیوں کہ وہ جنگ اور محبت کے لیے مخصوص ہیں۔ یونی سوس (EPHESUS) کا کالینوس (CALLINUS) جو کہ ساتویں صدی قبل مسیح میں پروان چڑھا، درحقیقت یونان کا انتہائی قدیم مرثیہ نگار ہے۔ تاہم اس کے متعلق انتہائی قلیل مواد دست یاب ہو سکا ہے۔ اس مرثیہ نگار کے کچھ عرصہ بعد ٹائی رٹ سوس (Tyrtseus) اپنے مشہور مرثیے اسپارٹا میں نظم کہہ رہا تھا۔ یہ دونوں لکھاری جنگ جو اور محب وطن تھے۔ ان کے برعکس محبت کے جذبے کو میم نر موس (Mimnermus) نے مہمیز کیا تھا۔ میرد کے رہنے والے تھیوجینس (Theognis) کے ادب پاروں میں یونانی مرثیہ کی خصوصیات پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گرد دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں ڈورس (Dorian) کی جنگجو یا نہ روح کا اظہار اپنے تمام کمال پر نظر آتا ہے۔ مزید یہ کہ جنگ مردانہ محبت سے مربوط ہے۔ یہ دیکھنے میں بہت عجیب معلوم ہوتا ہے کہ قدیم دور میں موت پر ماتمی دوہوں کو جو تھیا کری ٹس (Theocritus)، بائن (Bion) اور ماسوس (Moschus) نے کہے ہیں، مرثیے کی ایک قسم کی حیثیت تو رکھ سکتے ہیں مگر بھرپور مرثیے کی نہیں بلکہ کسی حد تک انہیں مرثیہ کہنا بھی چاہیے۔ دراصل یہ نہایت مختصر اور پراثر نظمیں ہیں۔

گویا قدیم یونان میں حب وطن اور جنگ و جدل کے جذبات اس طرزِ شاعری کی تخلیق کا باعث رہے ہیں اور سولہویں صدی کی ابتدا سے تا حال انگریزی ادب میں اس کلمہ ایلیبی سے مراد ماتم اور بین ہی لیا جا رہا ہے۔ مگر ڈاکٹر سید صفدر حسین ایلیبی جو مرثیہ کا مترادف لفظ انگریزی ہے کا اطلاق قدیم یونانی مرثیہ پر کرنے کے حق میں نہیں۔ ایلیبی کا یونانی ماخذ ایللی گوس جنازے کے ساتھ پڑھی جانے والی نظم ہے نہ کہ موت سے متعلق وہ اسے جنگ اور محبت کے جذبات سے معمور نظم گردانتے ہیں اور سولہویں صدی سے ایلیبی کا باقاعدہ رواج انگریزی ادب میں تسلیم کرتے ہیں اور وہ بھی جنازے کے گیتوں کی حیثیت سے۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یونان اور روم میں بھی اس صنفِ شاعری (مرثیہ) کا پتا چلتا ہے کہ لفظ ایلیبی جو مرثیہ کے مترادف ہے یونانی لفظ ایللی گوس سے نکلا ہے۔ یہ اس نظم کو کہتے ہیں جو جنازے کے ساتھ پڑھی جاتی تھی لیکن قدیم یونانی مرثیہ پر یہ تعریف منطبق نہیں ہوتی کیوں کہ وہ موت سے متعلق نہیں بلکہ جنگ اور محبت سے متعلق ہیں۔ سولہویں صدی سے ایلیبی کا رواج انگریزی شعر و ادب میں بھی نظر آتا ہے لیکن جنازے کے گیتوں کی حیثیت سے۔ انگریزی ادب میں ایلیبی کا تصور ایک ایسی نظم سے ہے جس میں شاعر اپنے کسی مرنے والے عزیز یا دوست کی موت پر اظہارِ تاسف کرے یا کسی با عظمت ہستی کی موت سے متاثر ہو کر کوئی نظم کہے۔ ۲

لاطینی زبان میں بھی حُزنیہ شاعری، نوحہ، غم، ذاتی غم و اندوہ اور تاسف کا اظہار ملتا ہے جس سے لاطینی ادب میں بھی مرثیہ گوئی کے آثار نکھر کر سامنے آتے ہیں۔ سید عاشور کاظمی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

دنیا کے کلاسیکی ادب میں ایک خاص بحر میں قبل مسیح نوحہ گری کرنے والوں میں رومی شاعر ہوریس (Horace) اور (Ovid) اووڈ کے نام ملتے ہیں۔ ان کے ساتھ آرگیو (Argive) اور اکیم بروٹس (Echembroutus) جیسے شاعر کو بھی نہیں بھلا جا سکتا جنہوں نے چھ صدی قبل مسیح میں خاص بحر میں حُزنیہ شاعری کی تھی۔ ان کے بعد پانچویں صدی قبل مسیح میں نمایاں نام پوری پیڈس (Euripidis) اور انڈروماچے (Andromache) کے ہیں۔ یہ سارے شاعر اور لاطینی زبان میں حُزنیہ شاعر یا مرثیہ گوئی کر گئے ہیں۔ ابتدائی یونانی مرثیہ جو ساتویں اور چھٹی صدی قبل مسیح میں لکھے گئے ان میں ذاتی غم و اندوہ اور تاسف کا اظہار ملتا ہے۔ ۳

دنیا کا تمام ادب اس طرزِ شاعری کا حامل ہے۔ یہ درحقیقت عقیدت و نیاز مندی کے اظہار کا ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے انسان اپنے پیاروں اور عزیزوں کے جدا ہو جانے پر ان کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اس طرح کی شاعری میں موجود آفاقیت اس امر کی طرف دلالت کرتی ہے کہ انسانی ذہن و قلب، ہیجانی کیفیات اور انسانی ضیاع پر یکساں اثر قبول کرتے ہیں۔

لاطینی مرثیہ کے حوالے سے بات کی جائے تو گالوس (Gallus) ایسا شاعر تھا جس نے عاشقانہ طرز کے مرثیہ کہے جو لاطینی میں انتہائی قدیم مرثیہ شمار ہوتے ہیں۔ پراپرٹس (Propertius) کے سنتھیا (Cynthia) نے چھ ارکان کے وزن کا شعر اور پانچ ارکان کے وزن کا شعر کے یکے بعد دیگرے عمدہ اور بلیغ استعمال سے اس ترکیب کو لاطینی میں مرثیہ کی معتد بہ بحروں میں داخل کر دیا۔

سولہویں صدی عیسوی کے آغاز سے انگریزی میں مرثیہ کے لفظ کا استعمال شروع ہوا۔ تب سے یہ لفظ یا تو جنازے کے گیت کے معنی دیتا ہے یا

نوحہ کے طور پر استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اسپنسر (Spenser) کی (Daphnida) حقیقی معنوں میں طرز جدید کا مرثیہ کہلانے کی مستحق ہے۔ جانسن (Johnson) نے مرثیہ کی جو تعریف کی ہے کہ یہ ایک مختصر نظم ہے جس میں گریز کی گنجائش نہیں درحقیقت ایک نامکمل اور بغیر سوچی سمجھی تعریف ہے۔ ۱۷۵۵ء تک کے عرصہ میں ملٹن (Milton) کی Lycidas اٹھارہویں صدی میں شیلے (Shelley) کا (Adonais) جو کہ کیٹس کا مرثیہ ہے اور میتھو آرنلڈ کا (Thyrisis) صنف مرثیہ کے بھرپور ترجمان ہیں۔ انگریزی ادب کا نہایت ہی اہم مرثیہ گرے Gray کا ہے جو ایک دیہاتی قبرستان پر لکھا گیا ہے۔

انگریزی میں مرثیہ کے لیے ایلیجی (Elegy) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے مراد بھی وہی لیا جاتا ہے جو لفظ مرثیہ سے۔ لفظ ایلیجی کے ماخذ اور معانی کے بارے میں ڈاکٹر مظفر حسن ملک لکھتے ہیں کہ:

ہیری سیملی وڈنلڈ ”دی ڈکشنری آف انگلش لینگویج میں لکھتے ہیں کہ ایلیجی کا ماخذ یونانی کلمہ ”ایلی گوس“ ہے اور غالباً اس کلمہ کا ماخذ مشرقی زبان کا کوئی لفظ ہے۔ انھوں نے اس معانی کے دو سلسلے قائم کیے ہیں دوسرے سلسلے کے ماتحت لکھتے ہیں کہ نغمہ، ماتم۔ ایسی شعری تخلیق جو مرنے والے یا مرنے والوں کے کارناموں کے ذکر، ان کی توصیف اور ان کی موت پر اظہارِ اندوہ سے عبارت ہو۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں بھی ایلیجی کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ ایلیجی بین اور اظہارِ الم کی ایک مختصر نظم ہے جس کی وجہ تخلیق کسی محبوب یا قابل احترام ہستی کی موت ہو۔“

فرانسیسی ادب میں چینی ڈول (Chinedolle) میلی وائے (Millevoye) نے اپنے (Ematory works) میں اس طرز شاعر۔ یعنی مرثیہ کو جگہ دی۔ لامرین (Lamarine) کا مرثیہ (Lelae) فرانسیسی ادب میں وہی مقام رکھتا ہے جو انگریزی ادب میں (Country churchyard) کو حاصل ہے۔ پرتگال میں صنف مرثیہ کو کامونیز (CAMOENS) کی مساعی سے فروغ حاصل ہوا۔ اطالوی زبان میں چیا بریرا (Chiabrera) اور رفل کاسیا (Filicacia) کو اہم مرثیہ نگار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کی شہرت قومی سطح کی حامل ہے۔ جرمن ادب میں مرثیہ کا تصور بہ حیثیت بند نظم کے نہ ملنے کے مترادف ہے۔ گوٹے کے مشہور رومی مرثیہ ساخت اور مضمون کے لحاظ سے اووڈ (Ovid) کا تتبع ہیں مگر ان میں وہ سوز و گداز نہیں۔ عبرانی اور سنسکرت زبانوں میں بھی ایسے مرثیے ملتے ہیں جو اپنی طرز اور نوعیت کے اچھے مرثیوں میں شامل ہیں۔

مرثیہ اردو ادب کی زندہ اور توانا صنفِ سخن ہے۔ قدیم مرثیہ سے لے کر جدید مرثیہ تک اس صنف میں متعدد تبدیلیاں رونما ہوئیں اور تمام ادوار کے مرثیہ گو شعرا نے اپنی خلافتانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس شعری صنف کا فنی مقام و مرتبہ اور ادبی خدو خال پہلے سے زیادہ نمایاں کرنے کی سعی کی۔

مرثیہ عربی زبان کا لفظ رثیٰ اِرتادور حم سے مشتق ہے۔ معنوی طور پر اس سے مراد مرحوم کی صفات کا منظوم بیان ہے لیکن اصطلاح میں مرثیہ سے مراد ایسی نظم ہے جس میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے المناک واقعات کا بیان ہو۔ ۵۔

مرثیہ اگرچہ مذہبی معنوں میں مخصوص نہیں ہے مگر عصر حاضر میں مرثیہ وہ صنفِ شاعری شمار ہوتا ہے جس میں حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقاء کی کرب و بلا کے میدان میں دردناک شہادت کے حالات و واقعات کا بیان موجود ہو۔

مرثیہ ابتدائے آفرینش سے موجود رہا ہے جب ہائیل کو قانیل نے قتل کیا تو حضرت آدم نے اپنے بیٹے کے غم میں اشعار کہے کہا جاتا ہے کہ یہی اشعار انسانی تاریخ کا پہلا مرثیہ ہیں۔ عبدالرؤف عروج اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

یقین سے کہنا ناممکن ہے کہ مرثیے کی ابتدا کب ہوئی تاہم یہ بات طے شدہ ہے کہ مرثیہ ایک قدیم صنفِ شاعری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلا مرثیہ ہائیل کے قتل پر لکھا گیا تھا۔

اسلام کی آمد سے پہلے شعرائے عرب مرثیہ کو دشمن اور حریف قبائل کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ انکے مرثیوں سے لوگوں میں ایک ولولہ، جوش اور اشتعال پیدا ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے قبل کے زمانے میں ایسے مرثیے کثرت سے ملتے ہیں جو محض ذاتی انتقام کی تسکین کا ایک ذریعہ ہیں۔ ڈاکٹر محسنہ نقوی لکھتی ہیں کہ:

طاہوت کے قتل پر حضرت داؤد نے مرثیہ کہا تھا۔ یہ مرثیہ بہت تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے عرب میں مرثیہ کی بنیاد پڑی۔ اسلام کی آمد سے پہلے عرب میں مرثیے نے اپنے قدم جما لیے تھے۔ عرب قبائل جنگوں میں مرنے والے مقتولین کے بہت دردناک مرثیے کہا کرتے تھے اور ان کا انتقام لینے کا جوش دلاتے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جنگ بدر میں عرب کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تو شعر ان کے دردناک مرثیے کہے اور مسلمانوں سے انتقام لینے کے جذبات کو ابھارا۔

ظہور اسلام کے بعد جہاں عربوں کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں وہیں خیال و نظر میں بھی تغیر پیدا ہوا۔ چنانچہ آغاز اسلام کے وقت جو مرثیے کہے گئے وہ سوز و گداز، شدتِ غم اور شدتِ تاثر کا اظہار ہیں۔ لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلام کے اس دور میں مرثیہ کو سوز و گداز اور شدتِ غم کے اظہار کا ذریعہ سمجھا جانے لگا۔ اور اس کی اثر پذیری ہمہ گیری ہونے لگی۔

حضرت حسان بن ثابت کو اسی لیے مداح رسول اور شاعر رسول کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آپ نے حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ میں عمدہ نعتیں کہیں اور آپ کے وصال مبارک کے بعد دردناک مرثیے کہے۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کی وفات پر حضرت فاطمہ الزہراء کا کہا ہوا مرثیہ بھی تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ علاوہ ازیں حضرت علی المرتضیٰ کے وہ اشعار بھی مرثیہ ہی کے زمرے میں آتے ہیں جو انھوں نے حضرت فاطمہ الزہراء کے انتقال پر ملال پر کہے تھے۔

واقعہ کربلا تاریخ اسلام کا ایسا دردناک واقعہ ہے جس نے عالم اسلام کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ اس اندوہناک سانحے سے جہاں متعدد سیاسی انقلابات نے جنم لیا وہاں اس واقعے نے مذہبی حوالے سے بھی کئی نقوش چھوڑے۔ اہل تشیع نے ایک مذہب کی صورت اختیار کر لی اور اس عظیم ترین المیہ کی یاد تازہ رکھنے کے لیے فن مرثیہ کو بطور ہتھیار اسلام کیا۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد بھی خلافت بنو امیہ کے پاس رہی اور شیعانِ علی کے لیے ناممکن تھا کہ وہ برملا اپنے جذبات کا اظہار کر سکیں۔ واقعہ کربلا اس لحاظ سے بھی بہت اہم ہے کہ اس سے

پہلے زندگی کے کسی بھی میدان میں ایثار، راستی، عزم، پامردی، ایفائے عہد، محبت رواداری، عطا، مہر اور صبر جمیل جیسی جملہ اعلیٰ صفات کا اتنا عظیم مظاہرہ پیش نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہنوز مرثیہ کا لفظ اہل بیت کی کربلا میں پیش کی گئی عظیم قربانی کے لیے مخصوص ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر محسنہ نقوی مرثیہ کی ابتدا کے بارے میں لکھتی ہیں:

اردو میں مرثیہ کا باقاعدہ آغاز دکن میں ہوا۔ اس کی تاریخ کچھ یوں ہے۔ کہ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے کافی عرصہ تک دکن میں کسی فرماں روا کے قدم نہ پہنچے۔ آخر سلاطین دہلی نے اسے فتح کیا اور اسلامی تہذیب نے یہاں پر قدم جمالیے۔ محمد تغلق نے ۷۵۲ھ میں اپنا دار الخلافہ دہلی سے دولت آباد دکن منتقل کر لیا۔ اس سے اردو زبان جو ابھی ارتقا کی منازل طے کر رہی تھی، دکن پہنچ گئی۔ بہت سے شعرا اور ادیب بھی دلی سے دکن پہنچ گئے۔ اگرچہ سلطان نے کچھ عرصہ بعد اپنا دار الخلافہ پھر دلی منتقل کر لیا مگر بہت سے لوگ دولت آباد میں ہیرہ گئے۔ ۷۸۲ھ میں حسن گنگو نے دکن میں بہمنی سلطنت قائم کر لی۔ جو ۹۳۳ھ یعنی تقریباً دو سو سال تک قائم رہی۔ بعد میں سلطنت پانچ حصوں یعنی عادل شاہی، نظام شاہی، قطب شاہی، برید شاہی اور جمال شاہی میں تقسیم ہو گئی۔ ۸

ان میں سے قطب شاہی سلطنت اور عادل شاہی سلطنت مذہبی لحاظ سے شیعہ تھیں۔ ان سلطنتوں کے اکثر بادشاہ بھی شیعہ مسلک رکھتے تھے۔ ان بادشاہوں کے دور حکومت میں ناصر ف شہدائے کربلا کے دور و غم میں متعدد مرثیے کہے گئے بلکہ بے شمار مرثیہ گو شعرا شاہی درباروں سے بھی وابستہ ہو گئے۔ اکثر حکمران خود بھی بلند پایہ مرثیہ گو شاعر تھے جن میں عبداللہ قلی قطب شاہ اور شاہ قلی خان وغیرہ بہت اہم ہیں۔ دکن کے اہم مرثیہ گو شعرا میں نصرتی، ہاشمی، غواصی اور نوری قابل ذکر ہیں۔ اس کے برعکس شمالی ہندوستان میں اردو مرثیہ گو کجا اردو شاعری کا رواج بھی نہیں تھا۔ شمالی ہندوستان میں مرثیہ نگاری کی ابتدا دکنی مرثیہ نگاری سے بہت بعد میں محمد شاہ رگیلا کے دور حکومت میں ہوئی۔ تاہم شمالی ہندوستان میں شاہان اودھ کے دور میں شیعیت کو خاص فروغ ملا اور لکھنؤ میں شیعوں کی مخصوص مراسم اور عزاداری کے ساتھ ساتھ مرثیہ گوئی کا رواج بھی عام ہوا۔ اس دور میں خلیق، ضمیر، دلگیر، فصیح، اور ان کے بعد میر انیس اور مرزا دبیر ایسے بلند پایہ مرثیہ نگار پیدا ہوئے جنہوں نے فن مرثیہ نگاری کو باہم عروج پر پہنچا دیا۔ مرثیہ مختلف اقسام پر مشتمل ہے جس میں شخصی مرثیہ، رسمی مرثیہ اور کربلائی مرثیہ شامل ہیں۔ مرثیہ کی اقسام کے حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ:

مرثیہ کئی طرح کا ہوتا ہے مثلاً وہ مرثیہ جو کسی شخص خصوصاً قومی رہنما وغیرہ کی وفات پر اظہار غم کے طور پر لکھا جاتا ہے۔ جیسے ہر سال یوم اقبال یا یوم قائد اعظم کے موقع پر دونوں رہنماؤں کے متعلق نظمیں لکھی جاتی ہیں۔ ایسے مرثیوں کی حیثیت عموماً رسمی ہوتی ہے بعض اوقات مرثیہ کسی ایسی عزیز ہستی کے متعلق ہوتا ہے جس سے انسان کو ذاتی یا خاندانی نسبت ہو۔ مثلاً اقبال کا مرثیہ ”والدہ مرحومہ کی یاد میں“۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دل کی گہرائیوں سے نکلے ورنہ اس کی حیثیت رسمی مرثیے کی ہوگی۔ مرثیے کی ایک شکل وہ ہے جس میں دینی رہنماؤں خصوصاً حضرت امام حسین اور ان کے اعزہ واقربا اور شہدائے کربلا کا ذکر ہوتا ہے۔ انیس اور دبیر کے مرثیے اسی نوعیت کے ہیں۔ ۹

اردو مرثیہ نگاروں کی رسائی بالعموم عربی، فارسی اور بعض صورتوں میں ترکی مرثیوں تک تھی۔ ہندوستانی ادب میں مرثیوں جیسی کوئی صنف

نظر نہیں آتی لیکن قدیم زمانے سے جذبہ درد کو ایک مستقل جذبے کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ ہندوستان میں لکھے جانے والے مرثیوں میں بھیان روایات کا شامل ہو جانا فطری تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اگرچہ اردو مرثیہ عربی، فارسی اور کسی حد تک ترکی مرثیوں کے تتبع میں شروع ہوا مگر اس صنف میں ہندوستانی شعرانے ایسی جدتیں پیدا کیں کہ یہ شعری صنف عربی اور فارسی مرثیے سے نہ صرف نمایاں بلکہ بہت حد تک مختلف بھی ہو گئی۔ یہ جدتیں عہد بہ عہد، علاقہ بہ علاقہ اور زبان بہ زبان ہوتی رہتی ہیں۔ الغرض مرثیہ ایک ایسی آفاقی اور عالم گیر صنف شاعری ہے جسے ہر زبان میں اپنانے کے علاوہ لکھا بھی گیا ہے اور مقدور بھر فروغ دینے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

### References

1. Ali Jawad Zaidi, Dehlvi Marsia Goo(Karachi: Nafees Academy, 1988),P9-10.
2. Syed Safdar Hussain, Tareekh Marsia Goie Maa Baad Anees Lahore: Colletion Dial Singh Trust Library, N.D), P4-5.
3. Syed Ashoor Kazmi, Urdu Marsiay ka Safar(Dehli: Educational Publishing House, 2006),P43-44
4. Dr. Muzaffar Hasan Malik, Urdu Marsiay mein Mirza Dabeer ka Maqam(Lahore: Maqbool Academy, 1976),P175-176
5. Dr. Saleem Akhtar, Tanqeedi Istalahat Touzihi Lughut (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2011),P240
6. Abdur Rauf Orooj, Urdu Marsia key Panch Sau Saal(Karachi: Sarak Publications, NA),P3
7. Dr. Mohsina Naqvi, Marsia aur us ki Tadrees, Paigham Aashna, Article,63(2015),P15
8. Dr. Mohsina Naqvi, Marsia aur us ki Tadrees, P12
9. Dr.Rafi ud Din Hashmi, Asnaf-e-Adab (Lahore: Sang-e-Maeel Publications, 2008),P51